قتل غیرت کا مسئلہ اور سزاایک مختصر ، تحقیقی، شریعی و قانونی تجزیہ

عظمیٰ بشیر، پی ایچ ڈی سکالر(اسلامک سٹڈیز) اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
پروفیسرڈاکٹر شمس البصر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

فہرست عناوین

۱۔ قتل غیرت (Honour Killing)کے بارے میں رائج جدید آراء/مؤقف
۲۔ قتل غیرت اور اسلام کا مؤقف(واقعات عہد نبویﷺ کی روشنی میں(
۳۔ قتل غیرت کا مسئلہ اور شریعت اسلامیہ کے رجحانات/رویے۔
۴۔ قتلِ غیرت(جرم) کی روک تھام کے لیے تدریجی مراحل۔
۵۔ دفاع یا نہی عن المنکر میں قتل کرنے کی مختلف صورتیں۔
۶۔ قتل غیرت کی سزا) (Punishment of Honour Killing)دورِ نبویﷺ اور دورِ صحابہؓ کے اہم واقعات کی روشنی میں(
۷۔ قتلِ غیرت کی سزا اور ثبوت و عدم ثبوت کی بحث
۸۔ قتلِ غیرت ، اسلامی شریعت اور جدید قانون کے شبہات
۹۔ قتلِ غیرت ، تجزیہ ، تبصرہ
۱۰۔ قتلِ غیرت او ر جدید تہذیب آزادی نسواں کا مقصد و مدعا
۱۱۔ حرفِ آخر
۱۲۔ حوالہ جات و حواشی

Honour Killing & Its Punishment

تعارف: قتل غیرت کا مسئلہ اور سزا

پاکستان میں قتلِ غیرت کا مسئلہ گذشتہ کئی سالوں سے زبان عام ہو رہا ہے اور پاکستانی ذرائع ابلاغ میں اہم جگہ حاصل کرتا رہا ہے۔ ان سالوں کے دوران تواتر سے اس مسئلہ کے بارے میں این جی اوز نے ہر پلیٹ فارم پر پاکستانی خواتین کو تبدیل کرنے اور ایسے مجرمین کو سنگین سزا دینے کے مطالبے دہراتا، مختلف سیمینارز اور مظاہرے بھی کئے جا چکے ہیں نیز قومی اسمبلی میں متعدد بار اس کے لیے ترمیمی تجاویز پیش کی جاتی رہی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قانونی و شرعی نکتہ نظر سے اس کا تفصیلاً جائزہ لیا جائے تاکہ صورتحال واضح ہو سکے۔

قتل غیرت Honour Killing کے بارے میں رائج جدید آرا:

۱۔ این جی اوز کا مؤقف۲۔ مسٹر جاوید احمد غامدی، ادارہ اشراق کا مؤقف۔

۳۔ پروفیسر مسز ثریا علوی کا مؤقف۔

۱۔ این جی اوز کا مؤقف(پہلا مؤقف جدید(

غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے بارے میں مغرب زدہ این جی از کا مطالبہ یہ ہے کہ ''اس کو سنگین ترین جرم قرار دیا جائے اور اس کی سزا میں کوئی رعایت نہیں ہونی چاہیے''۔ خواتین حقوق کمیشن کی رپورٹ میں پیش کردہ سفارشات میں قرار دیا:

''غیرت کے نام/مسئلہ پر قاتلانہ واردات کو قانون کے مطابق قتل عمد قرار دیا جائے اور اس کے لیے مناسب کارروائی کی جائے(۱)۔

دوسرا مؤقف(ادارہ اشراق:(

اس سلسلہ میں ایک مبہم مؤقف مسٹر جاوید احمد غامدی کے ادارہ اشراق کا ہے۔ اشراق کے مقالہ نگار جناب طالب حسین اپنے مضمون ''غیرت کا قتل'' میں کہتے ہیں ''ہمارے ہاں سیاسی نظام پر عدم اطمینان کی صورت بہت عام ہوتی جا رہی ہے اور ہم نظام سے بالا اپنے معاملات کو مرضی سے انجام دینے لگ جاتے ہیں، اسلام نے اس روش کو انتہائی نا پسند کیا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:'' من خرج من السلطان مبشراً مات میتہ جاھلیۃ''(۲)۔

اسلام کے دشمنوں کو ذاتی سطح پر نشانہ بنانا اور غیرت میں آ کر قتل کرنا نظام اجتماعی سے انحراف کی مثالیں ہیں اور نبی کریمﷺ کے نزدیک عدم ایمان کا مظہر بھی۔

میاں بیوی کے رشتے میں جب ایسی صورت پیش آئے تو اسلامی قانون میں ان کے لیے یہ رستہ رکھا گیا کہ وہ لعان کا طریقہ اختیار کریں۔ شادی ایک معاہدہ ہے۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اس کے علاوہ کوئی سزا نہیں ہو سکتی کہ یہ معاہدہ توڑ دیا اور یہ حق صرف مرد کو نہیں ، عورت کو بھی حاصل ہے(۳)۔

تیسرا مؤقف جدید:

ا س سے ملتا جلتا ادھورا مؤقف پروفیسر مسزثریا علویکا ملاحظہ کریں:

''قتلِ غیرت ، بہر حال قتل عمد ہی اور ان کے الفاظ میں بیوی کی بدچلنی دیکھ کر مرد کارروائی نہ کرے بلکہ معاملہ عدالت تک لائے اور اگر خود قتل ہی کر دے تو اس جرم کا ثبوت اسے عدالت کو مہیا کرنا پڑے گا، جہاں بیوی کے جرم زنا کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو لعان کا قانون عطا فرمایا ہے۔ اس صورت کو اختیار کیا جائے(۴)۔

خلاصہ بحث:

مذکورہ بالا تینوں مؤقف جدید کا حاصل یہ ہے کہ غیرت کے نام پر کیے جانے والے قتل کو عمومی واردات قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم تصور کیا جائے اور ایسے مجرم کو زیادہ سے زیادہ سزا دی جائے یعنی قتلِ غیرت بہرحال قتلِ عمد ہے مگر سوچے کی بات ہے کہ اگر قتلِ غیرت کو قتلِ عمد

قرار دیا جائے تو معاشرہ sex freeبن جائے گا اور اباحیت پسندی کو فروغ ہو گا۔ جبکہ ہمارا مقصد معاشرہ کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔ ان تینوں مؤقف میں صورتحال ناقص و مبہم ہے کہیں اس سلسلے میں افراط سے کام لیا گیا اور کہیں تفریط سے جبکہ اعتدال پسندی سے اجتناب کیا گیا ۔ اب اس اہم مسئلہ کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل دیکھتے ہیں۔

قتلِ غیرت اور اسلام کا مؤقف(قرآن کی روشنی میں:(

سب سے اولین امر یہ ہے کہ اسلام میں ایسے قتل کی نہ کوئی اجازت ہے اور نہ ترغیب بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں سے نظم و ضبط کی پابندی اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔

''دورِ نبوی ﷺ میں قتلِ غیرت کے اہم واقعات''

واقعہ نمبر ۱:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بلال بن امیہؓ نے نبی کریمﷺ کے پاس جا کر شریک بن سحماء کے ساتھ اپنی بیوی کے ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ نبی کریمﷺ نے اس سے کہا: گواہ لاؤ ورنہ تم پر حد لگے گی ، اس نے کہا یا رسول اللہﷺ ہم میں سے کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر شخص کو دیکھ لے تو کیا وہ گواہ تلاش کرتا پھرے۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا:

''گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی تو بلالؓ نے کہا، اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں سچ کہہ رہا ہوں اس لیے میری پیٹھ کو حد سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ ضرور کوئی حکم اتارے گا''(۵)۔

تو جبرئیلؑ آپ پر یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ والذین یرمون ازواجھم---- من الصادقین(۶(

آگے حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل ہے کہ نبی کریمﷺ نے ان کے مابین ''لعان'' کروایا اور بلال بن امیہؓ ایسے شخص ہیں اسلام میں لعان کرانے والے(۷(

واقعہ نمبر۲: (اہم واقعہ سعد بن عبادہؓ(

اس سلسلے میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن عبادہؓ کا ہے۔ انصاری سردار حضرت سعد بن عبادہؓ بہت زیادہ غیور تھے اور ان کی غیرت کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کنواری عورت کے سوا نکاح نہ کیا اور ان کی طلاق یافتہ عورت سے بعد میں کسی نے نکاح کی جرات کی(۸)۔

اس مکالمہ کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی زبانی ملاحظہ ہو۔ یہ تین روایات ہیں:

i- حضرت سعد بن عبادہؓ نے نبی کریمﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہؐ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو رنگے ہاتھوں پکڑ ے تو کیا وہ اس کو قتل کر سکتا ہے؟ نبی کریمؐ نے جواب دیا ''نہیں''(۹)۔

ii- اگلی حدیث میں ہے کہ ''یا رسول اللہؐ! کیا پھر اس (مجرم) شخص کو اتنی مہلت دے کہ چار گواہ لے کر آئے تو نبی کریمؐ نے فرمایا: ''ہاں''(۱۰)۔

iii- پھر حضرت سعدؓ نے اپنے حوالے سے پوچھا: یا رسول اللہﷺ! اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو دیکھ لوں تو کیا چار گواہ لانے سے قتل اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا؟ نبی کریمﷺ نے فرمایا: بالکل کچھ نہیں۔ تو سعد کہنے لگے: میں تو اس سے پہلے تلوار سے اس کا فیصلہ کر دوں گا تو نبی کریمﷺ نے فرمایا:''اسمعونی ما یقول سیدکم، انہ لغیور وانا غیر منہ واللہ غیر منی''(سنو سنو، اپنے سردار کی بات سنو، یہ بہت غیرت مند شخص ہے حالانکہ میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے)۔

iv- ابو ہریرۃؓ کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ بھی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے کہا: اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں کسی رعایت کے بغیر تلوار سے اس کا کام تمام کر دوں گا۔ یہ بات نبی کریمؐ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اتعجبون من غیرۃ سعد؟ فو اللہ! لأنا أغیر منہ واللہ منی من اجل غیرۃ اللہ حرم الفواحش ما ظھر منھا وما بطن ولا شخص أغیر من اللہ(کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہیں اس غیرت کی وجہ سے ظاہر اور خفی گناہ قرار دیئے ہیں اور اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اس طرح اللہ سے زیادہ کوئی عذر قبول کرنے والا نہیں----)(۱۲)۔

حاصلِ کلام:

اسلام کے درج بالا مؤقف احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں غیرت کے نام پڑ قتل کی کوئی اجازت نہیں بلکہ گواہ لانے کی تلقین پائی جاتی ہے اور یہ بات نبی کریمﷺ کے اپنے الفاظ ''لا'' اور ''نعم'' کی صورت میں دو ٹوک موجود ہیں۔

اسلام کا مثبت مؤقف''جذبہ غیرت'' کے بارے میں:

دوسری طرف اسلام میں غیرت کو نہ صرف قابل تحسین وصف قرار دیا ہے بلکہ اس میں شدت کو بھی پسند کیا ہے اور اللہ نے اسے اپنی صفت قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:یا امۃ محمد واللہ ما من احد أغیر من اللہ ان یزنی عبدہ أو تزنی أمتہ(اے امت محمدیہ! اللہ کی قسم جب کوئی بندہ پابندی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس مکروہ فعل پر اللہ سے زیادہ کسی کو غیرت نہیں آتی)(۱۳)۔

حافظ ابن حجر کا قول ہے: غیرت انسانی فطرت میں شامل ہے اور جو شخص غیرت نہیں رکھتا گویا وہ بد فطرت ہے۔ لہذا کوئی شخص اپنی عزت و غیرت کے بارے میں بے پروا ہو، ایسا تصور اسلامی معاشرے میں نا پید ہے(۱۴)۔

حاصل کلام:

الغرض غیرت کا تصور مذاہب اور معاشرتی اقدار سے بالاتر ایک انسانی جذبہ ہے جس کی مثالیں اسلام کے علاوہ مغربی معاشروں میں بھی عام ملتی

ہیں۔ تاہم اسلام کی تلقین و ہدایت یہی ہے کہ اپنے ماننے والوں میں نظم و ضبط پیدا کرے اور انہیں قانون ہاتھ میں لینے سے روکے۔

نبی کریمﷺ کا جذبہ غیرت و حمیت میں آ کر قتل کی ممانعت:

جہاں تک اس بات کی حکمت کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت ایک حدیث صحیح میں آتی ہے:

کفی بالسیف ''شا'' یرید ان یقول شاھدا، فلم یتم الکلمۃ حتی قال اذا یتتابع فیہ السکران والغیران(۱۵)''تلوار ہی بطور گواہ کافی ہے آپؐ شاہد نہ کہنا چاہتے تھے(یعنی دونوں بُرا کام کرتے ہوئے مارے گئے تو ان کا موقعہ پر مارا جانا ان کے جرم کی شہادت ہے) لیکن آپؐ نے یہ کلمہ پورا نہیں کیا اور فرمایا: یوں تو مدہوش اور زیادہ غیرت مند اس کو معمول بنا لیں گے(یعنی کشت و خون کا سلسلہ عمل جائے گا)''۔

قتل غیرت کا مسئلہ او شریعت اسلامیہ کے رجحانات/رویے:

مذکورہ بالا احادیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں غیرت قتل کی اجازت نہیں ، البتہ ائمہ محدثین اور فقہاء کرام نے نبی کریمؐ اور دورِ صحابہ میں پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں ان احادیث کے مقصد مدعا میں اختلاف کیا ہے۔ اگر آپؐ کے فرمان کے ظاہری حکم کی بنا پر اس کو جرم تصور کیا جائے تو پھر یہ سوالات سامنے آتے ہیں؟

- قتل غیرت کی سزا کیا ہے؟
- کیا قتل غیرت کرنے والے کو قتل کا مجرم سمجھا جائے یا قانون ہاتھ میں لینے کا؟
-)نبی کریمؐ نے اس فعل سے روکا تو ہے لیکن اس پر سزائے قتل لاگو نہیں کی گویا آپؐ کے منع کرنے کے بعد یہ ایک جرم ہے ۔ جرم کے تعین ہونے کے بعد اس کی سزا کی نوعیت کا مسئلہ اہم ہے(۱۶)۔

شریعت اسلامیہ کے قتل غیرت کی سزا کے بارے میں چار اہم رجحانات:

مؤقف اوّل: ''اپنی ذات کے دفاع یا نہی عن المنکر کے حوالے سے''

بعض اہل علم قتل غیرت کو تو فرمانِ نبوی کی بنا پر جرم سمجھتے ہیں لیکن دورانِ بدکاری اس فعل کو نا ممکن بنانے کی کوشش کرنا خصوصاً میاں بیوی کے لیے اور عموماً تمام لوگوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسا قتل بذات خود ہی جرم نہیں بلکہ در اصل ایک سنگین جرم کا وہ عمل ہے اور اس سلسلہ میں حکومت سے مدد لینے کو بھی ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے۔

مؤقف ثانی: ''قتل غیرت کی سز ا کے تعین کے حوالے سے''

اگر اس فعل کو مان لیا جائے تو دوسرا مؤقف اس قتل(جرم) کی سزا کے تعین کے بارے میں ہے۔ فقہاء کا متفقہ مؤقف یہ ہے کہ قاتل اگر شادی شدہ مقتولین کا بدکاری میں ملوث ہوناثابت کر دے تو ایسی صورت میں اس کو قانون کو ہاتھ میں لینے کی سزا دی جائے گی نہ کہ قتل کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جس کو قتل کیا وہ اسلامی قانون کی نظر میں بھی قابل گردن زنی ہی تھا۔

ایسے ہی زنا کی صورت میں اس کے حق میں دست درازی ہوتی تھی اور قصاص لینا در اصل اس قاتل کا حق تھا جس کے لیے اسے عدالت سے ہی مدد لینا چاہیے تھی۔

مؤقف ثلاثہ: ''حنابلہ کا مؤقف''

تیسرا مؤقف حنابلہ کا ہے جس میں امام ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی شامل ہیں۔ ان کی نظر میں یہاں مسئلہ قاتل کو حملہ آور سے دفاع کا مسئلہ در پیش نہیں بلکہ کسی مسلمان کی عزت میں دخل اندازی کرنے والا ہی یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔

مؤقف رابع:

جدید قانونی تصور کی رُو سے ایسا قتل جو اشتعال کی حالت میں بے قابو ہوتے ہوئے سرزد ہو جائے تو اس کو ارادتاً تل کی بجائے قتل خطا سمجھا جائے کیونکہ اس میں قاتل کا عزم شامل نہیں تھا ۔ یہی قانون اس وقت متعدد اسلامی ممالک بشمول پاکستان میں نافذ العمل ہے اور امریکہ و یورپ میں فوری اشتعال کے مجرموں کو خصوصی رعایت دی جاتی ہے جس پر اسلامی ممالک اور یورپی عدالتوں کے فیصلے شاہد ہیں۔

حاصل کلام:

ان چار مؤقف کی روشنی میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ کسی لفظ کا عام مطلب اس کے مخصوص اصطلاحیر مفہوم سے جدا ہوتا ہے۔ قتل عمد جرم و سزا کی ایک اصطلاح ہے لیکن اکثر لوگوں نے اس لفظ کے درست استعمال و مفہوم میں غلطی کھائی جس طرح ہر گواہ کو گواہ ہی کہا جاتا ہے وہ سچا ہو یا جھوٹا اس طرح ارادے میں کیا جانے والا ہر قتل امر واقعہ کے اعتبار سے تو قتل عمد ہی ہے۔

عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریمﷺ کے فرامین سے نہ تو غیرت کے جرائم اور قتل کی حوصلہ افزائی ہو اور نہ ہی بدکاری یا بے راہ روی کرنے والوں کی اجازت یا عوامی روک ٹوک سے تحفظ کا کھلا لائسنس مل جائے ایسے ہی اسلام غیرت کے قتل کے بارے میں جرم قتل اور غیرت دونوں کو اہمیت دیتا ہے نہ تو غیرت کو نظر انداز کرتا ہے نہ جرم قتل کی ترغیب دیتا ہے۔

قتل غیرت(جرم) کی روک تھام کے لیے تدریجی مراحل

مرحلہ اوّل: اسباب زنا کو روکا جائے۔

اس قسم کے حالات پیش آنے کی صورت میں ذمہ دار افراد(شوہر) کا فرض ہے کہ اس برائی کو اپنے مختلف انتظامی اختیارات سے روکنے کی کوشش کرے کیونکہ جس طرح اسلامی برائی پھیلانے اور سربازاز اپنی اور اپنی (بیوی) متعلقہ(عورت) کی عزت رسوا کرنے کی حمایت نہیں کرتا اس طرح مسلمانوں کو ان طریقوں کو اپنانے کا پابند کرتا ہے جن سے زنا کے امکانات بھی معدوم ہو جائیں۔ چنانچہ قرآ کریم نے زنا سے پرہیز کرنے کی بجائے اس کے قریب بھٹکنے سے بھی مسلمانوں کو روکا گیا ہے(۱۸)۔

اس کس دلیل ماعز بن مالکؓ کا واقعہ ہے جنہیں نبیﷺ نے بار بار زنا کا اعتراف کرنے پر رجم کی سزا تو دی، لیکن شروع میں اس کے اولین تین اعتراضوں کو نظر انداز کرتے رہے(۱۹)۔

یہ نظر انداز کرنا خصوصاً زنا سے متعلق معاملات میں ہے کیونکہ اس کے تذکرے سے بھی بے حیائی کو فروغ حاصل ہوتا ہے جب اس برائی کا علم دو چار افراد کو ہی تب تو اس کو چھپانا اور دیگر ذرائع سے کنٹرول کرنا بہتر ہے۔ اگر یہ بدکاری متعدد لوگوں کے علم میں آ جائے تو ایسی صورت میں اس کو چھپانا اور اسلامی عدالت سے بچانا گویا بدکاری کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ ایسے ہی جب مسئلہ عدالت میں پیش ہو جائے تو تب گواہی کو چھپانا ایک سنگین جرم ہے۔

اس کی دلیل کہ اسباب زنا/ بے حیائی کو حتی الامکان روکنا چاہیے۔ آپﷺ کا فرمان صریح ہے جسے ابن عباسؓ نے روایت کیا: ''ایک آدمی آپؐ کے پاس آیا اورکہا میری بیوی چھونے والے کا ہاتھ نہیں روکتی(یعنی اس کے کردار کے بارے میں شکایت کی) تو رسول اللہﷺ نے فرمایا: اس کو الگ(طلاق) کر دے، اس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا تو آپﷺ نے فرمایا: پھر اس سے نباہ کر''(۲۰)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے غیرتی میں بیوی کے بارے میں شکوک و شبہات نظر انداز نہیں کرنے چاہئیں۔ اس لیے اگر کوئی حل نہ نکلے تو کمزور ترین رویہ اختیار کرنے کی اجازت دی۔

مرحلہ ثانی: لعان کا طریقہ اختیار کرنا / دیگر محرمات کے ساتھ معاملہ:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو واضح طور پر گناہ میں ملوث پائے اور انتظامی اقدامات سے بیوی کو کنٹرول کرنے کی قدرت نہ رکھے تو ایسی صورت میں برائی کی روک تھام کے لیے ''لعان'' کا راستہ موجود ہے:

اوّل: لیکن لعان کا راستہ صرف شوہر/ بیوی کے معاملہ میں ہے جبکہ دیگر محرمات کے لیے یہ مسئلہ زیادہ سنگین بن جاتا ہے۔

دوم: ''لعان' ' کی صرت میں بھی عورت چونکہ سزا سے بچ جاتی ہے ورنہ مرد کی عزت معاشرے میں اچھلتی ہے پھر حق مہر کی واپسی کا معاملہ بھی شوہر نہیں کر سکتا۔

ایسے ''لعان'' بھی اس فیصلے کا مکمل حل نہیں ہے کیونکہ موجودہ حالات میں اب تو اسلامی عدالتیں رہیں اور نہ نیکی اور تقویٰ کا وہ معیار باقی رہا۔ پاکستانی عدالتیں بھی لعان کی تائید اس لیے کرتی ہیں ۔ اس سے عورت کی سزا رفع ہو جاتی ہے(۲۱)۔

سوم: تیسرے مرحلے کا تعلق بدکاری کے وقوعہ کے دوران سے ہے جب بدکاری کا فعل ہو رہا ہو کیا کرنا چاہیے؟

اسلامی ماہر قانون جسٹس عبدالقادر عودہ شہید کی آراء:

عبدالقادر عودہ نے دورانِ بدکاری روکنے کی دو صورتیں پیش کی ہیں:

۱۔ حملہ آور سے دفاع۔ ۲۔ برائی سے دفاع(نہی عن المنکر) (۲۲)۔

صورت اوّل (حملہ آور سے دفاع:(

مختلف قرائن سے اس امر کا پتہ چلے کہ عورت اس فعل بد کے لیے راضی نہیں تھی بلکہ اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ایسی صورت میں عورت کا خود اپنی ذات کا دفاع کرنا یا شوہر پر اپنی بیوی کا دفاع کرنا دونوں شریعت کی رُو سے واجب ہیں۔ اس دفاع کے دوران اگر عورت یا شوہر کے ہاتھوں زنا بالجبر کا مرتکب حملہ آور قتل بھی ہو جائے تو اس کا خون رائیگاں ہو جائے گا۔ ایسے حملہ آور کے قاتل کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دفاعی اقدام کو ثابت کرے۔ اسکی شرط یہ ہے کہ یہ دورانِ بدکاری یا بعض اوقات اس سے عین قبل اس کو روکنے کے لیے اٹھایا جاتا ، نہ کہ بدکاری کا وقوعہ ہو جانے کے بعد۔ برائی کو روکنے کا یہ طریقہ صرف غیرت کے قتل کے بارے میں ہی نہیں بلکہ دیگر جرائم کے بارے میں بھی ہے اس صورت میں یہ بات بھی عائد نہیں ہوتی کہ قاتل نے قانون کو ہاتھ میں کیوں لیا ہے، کیونکہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی بجائے یہاں ''اصل مسئلہ برائی کو انجام پانے'' سے روکنا ہے(۲۳)۔

نبی کریمﷺ کا فرمان ہے: من قتل دون مالہ فھو شھید، من قتل دون اھلہ فھو شھید

)جو انسان اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا یا اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے)(۲۴(

''اہل'' کی حفاظت میں اس کے تمام حقوق کی حفاظت شامل ہے۔ نبی کریمﷺ کا فرمان ہے:

العار حرم فمن دخل علی حرمک فاقتلہ(۲۵(

)گھر حرم ہے جو شخص تمہارے حرم میں داخل ہو ، اس کو قتل کر دو(

ڈاکٹر وحبہ زحیلی اپنی کتاب ''الفقہ الاسلامی وأدلتہ'' میں لکھتے ہیں:

''فقہاء اربعہ (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص اپنی جان ، مال و آبرو کی حفاظت کے لیے قتل کر دے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا''۔

)صورت ثانی) برائی سے دفاع (نہی عن المنکر:(

)زنا بالرضا) اگر بدکاری میں دونوں فریقین راضی ہوں تو یہ امر بھی ان کو عوامی روک ٹوک سے حفاظت نہیں کرتا۔ چنانچہ بیوی یا عورت کی رضا مندی کی صورت میں ہونے والی بدکاری کو روکنا بھی ہر مسلمان پر نہی عن المنکر کی رُو سے لازمی ہے۔

نہی عن المنکر ایک طرف عدالت یا حکومت کی بجائے ہر مسلمان کا فرض ہے تو دوسری طرف اس کے تین مراحل(ہاتھ، زبان اور دل) بھی احادیث میں بیان ہوتے ہیں۔

فقہ حنفی کا مؤقف:

)ترجمہ) کوئی شادی شدہ شخص اس کی یا دوسرے کی بیوی سے زنا کر رہا ہے اور آدمی چیخ و پکار کے باوجود نہ تو زنا سے باز آتا ہے نہ بھاگتا ہے تو آدمی کے لیے ایسے شخص کو قتل کرنا جائز ہے اگر وہ اسے قتل کر دے تو اس پر کوئی قصاص نہیں(۲۷)۔

حنفی فقہ کی کتاب ''کنز الدقائق'' میں ہے:

''ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ معصیت کے وقت اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے، البتہ وقوعہ کے بعد اس (کی سزا) کا اختیار صرف حاکم وقت کے پاس ہے کیونکہ اگر تو کوئی شخص مجرم کو بوقت جرم روکنے کے لیے انتہائی اقدام کرتا ہے تو اس وقت یہ درست ہے اور نہی عن المنکر کی بنا پر نیکی کا کام شمار ہو گا لیکن وقوعہ کے بعد نہی المنکر کا معاملہ تو ختم ہو گیا''(۲۸)۔

جسٹس عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں: ''مال کی مدافعت کو بیشتر فقہاء جائز کہتے ہیں البتہ عزت پر حملہ کی صورت میں تمام فقہاء کے نزدیک مدافعت فرض ہے''(۲۹)۔

نہی عن المنکرکی حیثیت اسلامی معاشرے میں فرض کفایہ یا مستحب کی بجائے ایک قرض کی ہے جس کی ادائیگی بہر صورت ضروری ہے جمہور فقہاء کے مطابق نہی عن المنکر تمام افراد معاشرہ کے لیے لازمی ہے۔ بقول جمہور فقہاء اس کام کے لیے حاکم کی اجازت یا تعیناتی بھی ضروری نہیں''(۳۰)۔

خلاصہ بحث:

درج بالا تمام بحث کا خلاصہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی کے بیان سے کرتے ہیں:

''لا قصاص ولا دیۃ فی المذاھب الاربعۃ علی من وجد رجلا یزنی بامرأتہ فقتلہ روی عن عمر''(۳۱)(مسالک اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بیوی سے زنا کرنے والے شخص کو قتل کرنے پر قاتل سے کوئی قصاص نہیں جیسا کہ اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے)۔

اس طرح فقہی اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر منکر کے نہ صرف بیوی اور شوہر بلکہ تمام مسلمان مخاطب ہیں جب بیوی مجبور ہو تو یہ اقدام دفاع کی قبیل سے اور جب بیوی راضی ہو تو یہ اقدام نہی عن المنکر کی قبیل سے ہو گا(۳۲)۔

اس لیے زنا بالرضا کی صورت میں بھی عورت کو قرآن و سنت کی روشنی میں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ شوہر کے پیچھے اس کا مال یا آبرو پامال کرتی پھرے۔

برائی سے دفاع اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں جسٹس عبدالقادر عودہ شہید کے اہم نکات:

اس سلسلہ میں جسٹس عبدالقادر عودہ شہید نے متعدد بحثیں کیں اور اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

i- دفاع کے لیے ضروری ہے کہ حملہ کا تصور غالب کے درجے میں ہو، نہ کہ وہ زیادتی بالفعل موجود ہو(۳۳)۔
ii- دفاع کے تقاضے میں کیے گئے افعال مباح ہیں ان پر کوئی سزا نہیں(۳۴)۔
iii- حملہ آور کے دفاع کے لیے کوئی اور ممکن وسیلہ موجود نہ ہو۔(۳۵)۔
iv- مدافعت اسی قدر قوت سے ہو، جس قدر قوت زیادتی کو روکنے کے لیے ناگزیر ہے(۳۶(
v- اگر مدافعت لاٹھی سے ممکن تھی مگر اس نے پیر کاٹ دیا تو تاوان لازم آئے گا(۳۷(
vi- دفاع اور جارحیت باہم مربوط نہیں اگر اس دوران قتل ہو جائے تو جائز ہے(۳۸)۔

دفاع یا نہی عن المنکر میں قتل کرنے کی صورتیں:

دفاع اور نہی عن المنکرکے تصورات بالکل جداگانہ نہیں بلکہ اپنی ذات سے دفاع کے تصور میں بھی بیوی یا شوہر کا نظریہ شامل ہے کہ چونکہ یہ برائی ہے اس لیے اس کو انجام پانے سے روکا جائے گویا یہ برائی سے دفاع ہے۔ دورِ صحابہ میں کئی ایسے واقعات پیش آئے اور یہی فیصلے کیے چنانچہ مذکورہ فقہی موقفوں کی بنیاد ہی واقعات ہیں۔

دفاع یا نہی المنکر میں قتل کرنے کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ عورت کا اپنے دفاع میں حملہ آور کو قتل کرنا۔
۲۔ شوہر کا اپنی بیوی کا دفاع کرنا۔
۳۔ مسلمانوں کا دفاع میں شریک ہونا۔
۴۔ دفاع کرتے ہوئے جرم سے بھی بڑی سزا تک پہنچ جانا۔

۱۔ عورت کا اپنے دفاع میں حملہ آور کو قتل کرنا:

خلفائے اربعہ کے دور میں بعض ایسے واقعات پیش آئے اور انہوں نے مقتول کا خون رائیگاں قرار دیا۔ یہ واقعات حسب ذیل ہیں:

عبداللہ بن عمیر سے مروی ہے کہ ''ایک شخص نے قبیلہ ہذیل کے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور اپنی باندی کو لکڑیاں کاٹنے کے لیے بھیجا۔ مہمانوں میں سے ایک مہمان کو وہ پسند آ گئی اور وہ اس کے پیچھے چل پڑا اور اس کی عصمت لوٹنے کا طلب گار ہوا، لیکن اس باندی نے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر ان میں کشمکش ہوتی رہی اور اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہو گئی اور اس نے پتھر اٹھا کر اس شخص کے پیٹ پر مار دیا جس سے اس کا جگر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور انہیں سارا واقعہ سنایا۔ اس کے گھر والے اسے حضرت عمرؓ کے پاس لے کر گئے اور آپؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے معاملہ کی تحقیق کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا اور انہوں نے موقع پر ایسے آثار دیکھے جس سے دونوں میں کشمکش کا ثبوت ملتا تھا۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ نے جسے مارا ہے اس کی دیت نہیں جا سکتی(۳۹)۔

واقعہ نمبر۲:

لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک روزحضرت عمرؓ کے پاس ایک مردہ(مرد بھیگی مسوں والا) لڑکا لایا گیا جو راستے کے ایک طرف مردہ پایا گیا۔ ایک سال تک حضرت عمرؓ مقتول کے قاتل کا پتہ لگاتے اور اللہ سے دعا کرتے رہے حتٰی کہ اسی مقام پر سال بعد ایک نو مولود پڑا ہوا ملا تو حضرت عمرؓ کو شک پیدا ہوا۔ تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ ایک انصاری صحابی کی بیٹی اس کی ماں ہے۔ آپؓ نے اس عورت سے تفتیش کی تو اس نے بتایا کہ دھوکے سے وہ مقتول لڑکا میری عزت پر حملہ آور ہوا تو میں نے موقع پر ہی اسے قتل کر دیا ، اسی کا یہ بچہ ہے جو میں نے مقتول کی جگہ پر پھینکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس لڑکی کی تعریف کی اور اس کے باپ کے سامنے بیٹی کی صداقت کی گواہی دی اور واپس چلے گئے(مختصراً)(۴۰)۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی اس بارے میں لکھتے ہیں: اس امر پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت کو اپنا دفاع ضرور کرنا چاہیے کیونکہ ایک غیر مرد کے ہاتھ چڑھنا اس کے لیے حرام ہے اور پھر اس زبردستی کرنے والے کو قتل بھی کر سکتی ہے اور یہ قتل رائیگاں جائے گا(۴۱)۔

شوہر کا اپنی بیوی کا دفاع کرنا:

شوہر اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو شریک بدکاری دیکھے اور اسے قرائن سے زیادتی کا اندازہ ہو جائے تو شوہر پر اس کا دفاع کرنا واجب ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: ’’ولو بالقتل ان امکنہ الدفاع ولم یخف علی نفسہ‘‘

)شوہر کا فرض ہے کہ اپنی بیوی کے دفاع کی ہر ممکن کوشش کرے جس کے لیے اس کو قتل بھی کرنا پڑے تو دریغ نہ کرے)(۴۲)۔

’’المغنی‘‘ میں اس حوالے سے ایک یہ واقعہ درج ہے کہ:

حضرت زبیر بن عوامؓ ایک لشکر کے ساتھ جا رہے تھے کہ کسی وجہ سے لشکر کے پیچھے رہ گئے راستے میں انہیں دو آدمی ملے ان سے کھانے کو مانگا۔حضرت زبیرؓ کے پاس جو کچھ تھا انہیں دے دیا، اس کے بعد وہ کہنے لگے لونڈی ہمارے حوالے کر دو یہ سن کر حضرت زبیرؓ نے انہیں تلوار مار دی اور دو ٹکڑے کر دیے(۴۳)۔

اگر بیوی بھی اس جرم میں شریک ہو تب بھی شوہر کے لیے عزت کا دفاع کرنا مشروع ہے اگر شوہر حرم اور نفطہ میں اختلاط و شبہ کو بچانے کے لیے وقوعہ کے دوران اس فعل سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اس کے لیے قتل کی نوبت آتی ہے تو شوہر کا یہ فعل شریعت کی نظر میں گوارا ہے۔

فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

ترجمہ: شریعت اسلامیہ میں نسل و نسب کی حفاظت کے لیے غیرت کو ایک مقام دیا گیا ہے اگر لوگ اس میں کوتاہی کرنے لگیں تو ولدیتیں مشتبہ ہو جائیں۔ اس بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ ہر امت کے مردوں میں غیرت پائی جاتی ہے

اور جو شخص اپنے اہل و عیال اور محرم رشتہ داروں کے بارے میں غیرت نہیں کرتا''دیوث'' کہلاتا ہے ۔ ویوثیت ایک بدترین خصلت ہے جس کے بارے میں ایک اثر میں شدید وعید آتی ہے۔ تین لوگوں کی طرف روز قیامت اﷲ تعالیٰ نظر تک نہ اٹھائیں گے اور ان میں ایک دیوث ہے(۴۴)۔

اہم واقعہ: اس سلسلہ میں ایک اہم واقعہ ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے:

''ایک روز حضرت عمرؓ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی وہ آ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ بیٹھ گیا اور کھانے میں شریک ہو گیا۔ پیچھے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا۔ یا امیر المؤمنین اس شخص نے ہمارے آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کر دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک اور شخص بولا: اس آدمی نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار ماری ، اگر درمیان میں کوئی تو اسے قتل کر دیا، اس بنا پر حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے پھر پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا اس نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار ماری جو اس شخص کی کمر پر لگی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اس پر حضرت عمرؓ نے قاتل سے کہا : اگر دوبارہ بھی کوئی ایسا کرے تو یہی حال کرنا ہے(۴۵)۔

مسلمانوں کا دفاع میں شریک ہونا:

نہی عن المنکر کی مشروعیت کے تمام دلائل اس امر کی بنیاد ہیں کہ مسلمانوں کو جبراً ہونے والی زیادتی میں اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنا چاہیے، جہاں تک خوشدلی سے ہونے والے جرم کا تعلق ہے تب بھی مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو انجام پانے سے روکیں۔ نبی کریمﷺ کا فرمان ہے: انصر اخاک ظالما أو مظلوما(اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر ظالم ہے تو اس کا ہاتھ روک کر)(۴۶)۔

واقعہ: ابو مغیرہؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ اکٹھے ہو کر کسی قبیلہ کی ایک عورت کے پاس آئے قبیلہ کے کچھ اور لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے جا کر ان لوگوں کو قتل کر دیا۔ اگلے دن ان کے جنازے حضرت علیؓ کے پاس پیش کیے گئے تو آپؓ نے پوچھا: یہ سب لوگ ایک عورت کے گھر میں رات کو اکٹھے ہو کر کیا کرنے گئے تھے۔ واقعہ کی تفصیلات سننے کے بعد آپؓ نے ان لوگوں کا خون رائیگاں قرار دے دیا(۴۷)۔

دفاع کرتے ہوئے جرم سے بھی بڑی سزا تک پہنچ جانا:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اوقات دفاع کرتے ہوئے مقتول کو وہ سزا مل جاتی ہے جو اس کی اصل سزا نہیں۔ نبی کریمؐ کے سامنے ایسا واقعہ پیش آیا جس میں ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ اپنے دانتوں میں دبا لیا ۔ ہاتھ چھڑانے کی غرض سے اس نے زور سے کھینچا تو زیادتی کرنے والے کے دانت ٹوٹ گئے۔ نبی کریمؐ نے دانت ٹوٹنے کو رائیگاں قرار دیا اور دوسرے پر دانت توڑنے کا قصاص یا کوئی تعزیری سزا عائد نہ کی، آپؐ نے ہاتھ چبانے والے سے فرمایا:

فیدع لاہ فی فیک نقضمھا کما یقضھم الفحل(۴۸(

)کیا وہ تیرے منہ میں اپنا ہاتھ باقی رہنے دیتا تاکہ تو اسے سانڈ کی طرح چباتا رہتا)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی کنوارے مرد یا عورت کو زنا کاری سے روکا جائے یا کوئی کنوارہ شخص کسی آدمی کی بہن سے جبراً دبدکاری کررہا ہو تو ایسی صورت میں اسے برائی سے روکتے ہوئے اگر نوبت قتل تک جا پہنچے تو ایسی صورت میں کنوارے مرد کا قتل رائیگاں ہو گا کیونکہ یہاں مقصد سزا دینا تو ہے ہی نہیں بلکہ مجرم کا جرم پر اصرار اور دفاع کرنے والے کا جرم کو انجام پانے سے روکنا مقصود ہے(۴۹)۔

چوتھا مرحلہ: قتل غیرت کی سزا:(Punishment of Honour Killing)

اسلام میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں اور وقوعہ ہو جانے کے بعد اب یہ حاکم کا کام ہے کہ وہ ان کو سزا دے جو شخص قانون کو خود ہاتھ میں لیتا ہے وہ مجرم ہے اور اسے اس کی اجازت نہیں کہ بدکاری کے مجرمین کو خود قتل کر دے لیکن اگر کوئی شخص اس جرم کا ارتکاب کرے تو ایسی صورت میں اس کو سزا کیا دی جائے یہ مرحلہ جرم و سزا سے متعلق ہے۔

دورِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ میں ایسے کئی واقعات پیش آئے۔ دیکھتے ہیں کہ انہیں کیا سزا دی گئی؟

قتلِ غیرت کی سزا کے بارے میں دورِ نبویؐ کے واقعات اور آپؐ کا ردّ عمل:

پہلا واقعہ تو بدکاری کی بجائے صرف غیرت کھانے پر قتل کرنے کا ہے اور لازمی نہیں کہ انسان صرف بدکاری پر ہی غیرت کھائے بلکہ اس کا اظہار مختلف پس منظروں میں ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا وہ مشہور تاریخی واقعہ ہے جس میں دو آدمیوں کے جھگڑے کا ذکر ہے۔ دربارِ نبوت سے جس (بظاہر) مسلمان کے خلاف فیصلہ ہوا۔ اس نے اس فیصلہ کو دل سے قبول نہ کیا اور اپنا فیصلہ لیے حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کر دیا۔

جب دونوں فریق حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے ان سے نبی کر یمﷺ کے فیصلہ کی تصدیق کر لی تو آپؓ اندر گئے اور باہر آ کر دوبارہ فیصلہ کا تقاضا کرنے والے شخص کو اپنی تلوار سے قتل کر دیا۔ نبی کریمﷺ کو جب یہ اطلاع پہنچائی گئی تو آپؐ کو حضر ت عمرؓ کا یہ فعل ناگوار محسوس ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی بریت میں یہ آیت نازل کی:

’’تیرے رب کی قسم! یہ لوگ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کا فیصلہ نہ مان لیں بعد میں فیصلہ پر ان کے دل میں کوئی تنگی بھی پیدا نہ ہو اور اس کو دل و جان سے تسلیم کریں‘‘(۵۰)۔

چنانچہ اس آدمی کا خون رائیگاں گیا اور حضرت عمرؓ اس قتل سے بری ہو گئے۔

واقعہ نمبر۲:

اسی نوعیت کا ایک واقعہ غزوہ بنو قینقاع کے پس منظر میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے پس منظر میں دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب یہ واقعہ بھی بیان ہوا ہے جو کتبِ سیرت میں موجود ہے۔

''بنو قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے اپنے مکان میں کسی مسلمان عورت کا کپڑا اس غرض سے باندھا کہ جب وہ اٹھے تو اس کا ستر کھل جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا ۔ اس عورت نے بدلہ لینے کے لیے مسلمان کو پکارا۔ ایک مسلم نوجوان نے غیرت میں آ کر اس یہودی کوقتل کر دیا جس کے نتیجے میں یہود اس پر پل پڑے اور انہوں نے بھی اس مسلم نوجوان کو قتل کر دیا، اس واقعہ سے یہود اور مسلم کے مابین جنگ چھڑ گئی''(۵۱)۔

اس واقعہ کا تعلق بھی غیرت کے ساتھ ہے اگر غیرت کے نام پر قتل کرنے والا مسلمان بھی ویسی عی سزا کا مستحق تھا جو ایک عام قاتل پر عائد ہوتی ہے تو اس قاتل مسلمان کے بدلے مسلمانوں کو یہود سے لڑائی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

یہ دونوں واقعات دورِ نبویؐ میں پیش آئے اور قاتل نے غیرت پر زر پڑنے کی وجہ سے قانون میں عاتھ میں لیا لیکن واقعہ ثابت ہونے پر آپؐ نے قاتل کو سزا نہیں دی۔

دورِ صحابہؓ کے اہم واقعات اور قتل غیرت کی سزا کے بارے میں اُن کا ردّ عمل:

صحابہ کرامؓ کے دور میں اس سے زیادہ واضح واقعات ملتے ہیں۔ جس میں غیرت کے نام پڑ قتل کرنے والے قاتل کو سزائے موت یا قصاص قتل نہیں کیا گیا۔

واقعہ دورِ فاروقی:

عبداللہ بن عبیداللہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جہاد کے لیے روانہ ہونے لگا تو ایک یہودی کو اپنی بیوی کی دیکھ بھال کے لیے کہہ گیا، ایک روز ایک مسلمان صبح نماز کے لیے جا رہا تھا تو اس نے یہودی کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

''وہ پراگندہ حال شخص جسے اسلام نے میرے بارے میں دھوکہ میں رکھا(اور وہ اپنی بیوی کو میرے پاس چھوڑ گیا) میں ایک ایسی رات میں جب چاند پوری طرح روشن تھا، اس کی بیوی کے ساتھ خلوت میں رہا۔ میں اس کی بیوی کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہوں اور وہ (بیوقوف مجاہد) گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر صبح و شام کر رہا ہے۔ اس کے کولہوں کے مقام اتصال کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو رہے ہیں''۔

وہ مسلمان تلوار لے کر گیا اور اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہود اس کے خون کا مطالبہ لے کر آئے جب حضرت عمرؓ کو اصل واقعہ سے آگاہ کیا گیا تو آپؓ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا(۵۲)۔

)اس قسم کے مزید واقعات کے لیے اسی درج بالا کتاب کا صفحہ ۵۸۴۔ ۴۸۴ دیکھیے)۔

واقعہ دورِ عثمانی:

حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک شخص کو ملوث پایا تو اس کو قتل کر دیا ۔ مقتول کے وارث معاملہ حضرت عثمانؓ کے پاس لے گئے تو انہوں اس خون کو باطل اور رائیگاں قرار دیا(۵۳)۔

ان واقعات میں خلفائے راشدین نے قتل غیرت کے مجرم کو سزا نہیں بلکہ مقتول کا جرم ثابت ہونے پر اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام ایسے قتل کے بارے میں جو غیرت کی بنیاد پر ہوا ہے مجرم کو رعایت دیتا ہے البتہ اسلام ایسے مجرم سے جس امر کا مطالبہ کرتا ہے وہ ثبوت کی فراہمی ہے۔ اگر ثبوت نہ ملے تو تب وہ سزا وار ہے۔

قتلِ غیرت کی سزا اور ثبوت/عدم ثبوت کی بحث

فقہاء کی قتلِ غیرت میں ثبوت پر بحث:

فقہاء نے اس مسئلہ پر ثبوت کے حوالہ سے ہی بحث کی ہے اور اس امر میں اس کا اتفاق ہے کہ اگر وہ ثبوت بہم پہنچا دے تو اس کو قتل کا مجرم نہیں سمجھا جائے گا۔ یعنی مجرم کی طرف سے اس ثبوت کا مہیا کرنا گویا مقتولین کو جرم میں ملوث ثابت کرنا ہے اور ان کا جرم میں ملوث ہونا اس کے لیے گنجائش پیدا کر دیتا ہے کیونکہ یہ قتل در اصل ایک اور جرم کا ردّ عمل ہے۔

عدم ثبوت اور شک و شبہات کا معاملہ:

البتہ جہاں معاملہ عدم ثبوت کا ہو وہاں مرد کا فرض ہے کہ وہ شک و شبہات پر غیرت کھانے کی بجائے مختلف انتظامی اختیارات سے اس کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرے چنانچہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ ابتداء میں گزر چکا ہے۔ جب نبی کریمﷺنے ایک صحابی کو شک کی بنا پر اپنی بیوی کو روکے رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔

ہمارے ہاں غیرت کے نام پر قتل کے اکثر واقعات ثبوت کی بجائے شک و شبہ کی بنا پر ہوتے ہیں اور شک و شبہ کی بنا پڑ اسلام قاتل کو کوئی رعایت نہیں دیتا۔ اس طرح اگر محض آپس میں میل جول کی بنا پر شک کر کے قتل کرنے پر قاتل سزا سے نہیں بچ سکتا اور اگر مقتول مرد یا عورت بدکار ی سے معصوم ہو تو ایسی صورت میں قاتل کو قصاص ادا کرنا ہو گا۔

اسلام قانونی ثبوت کے بغیر قتل کے مجرم کو سزا سے کوئی رعایت نہیں دیتا چنانچہ ابن عبدالبر نے ایسے شخص کو قتل کی سزا دینے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے جو بدکاروں کو تو قتل کر دے لیکن اسکے گواہ یا ثبوت نہ لے کر آئیں۔ یہ مسالک اربعہ کا متفقہ مؤقف ہے(۵۴)۔

سزا کے بارے میں فقہاء کا مؤقف:

’’نیل الاوطار‘‘ میں امام شوکانیؒ نے اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف مؤقف جمع کر دیئے ہیں۔ جس کی رُو سے جمہور علماء کے نزدیک اگر بدکاری ثابت ہو جائے تو قتل غیرت کے ملزم کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ البتہ وقوع کے ثبوت کے بارے میں ان میں اختلاف ہے۔امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق

بن راہویہ کے نزدیک دو گواہ لانے کافی ہیں جبکہ جمہور فقہاء کے مطابق چار گواہ۔ بعض فقہاء نے اس میں مقتول کے شادی شدہ ہونے کی شرط بھی لگائی ہے(۵۵)۔

ائمہ فقہاء کا مؤقف:

امام ابن قیم جوزی اس سلسلے میں ائمہ فقہاء کا مؤقف بیان کرتے ہیں:

''امام شافعیؒ اور ابو ثور کے مطابق اگر مقتول شادی شدہ ہو اور وقوع ثابت ہو جائے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا کیونکہ یہ حد کے قائم مقام ہو جائے گا۔۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ کے مطابق اگر قاتل دو گؤاہ لے آئے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا۔۔۔ امام مالک سے اس سلسلہ میں دو قول ہیں۔ ان کے شاگرد ابن حبیب کے مطابق اگر مقتول شادی شدہ ہو اور وقوعہ ثابت ہو جائے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا۔ ان کے دوسرے شاگرد ابن قاسم کے مطابق مقتول کا خون رائیگاں جانے کے لیے صرف وقوعہ کا ثبوت ہی کافی ہے۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ کنوارے کے قتل کی صورت میں دیت دینا بہتر ہے(۵۶)۔

واقعہ کا مستند ثبوت کیسے؟ واقعہ کا مستند ثبوت کے لیے درج ذیل امور ملحوظ رکھے جائیں گے:

۱۔ مقتولین کا دورانِ فعل قتل ہو جانا خود اس کا ثبوت ہے کہ وہ گناہ کے مرتکب تھے جیسا کہ نبی کریمﷺ کا فرمان ہے: کفی بالسیف(شا) یرید ان یقول شاھدا۔۔۔ الخ

۲۔ ایسے ہی حضرت عمرؓ کے پاس آنیوالا واقعہ جب قاتل نے دونوںّ رانوں کے درمیان تلوار مار کر دورانِ بدکاری قتل کر دیا تھا اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۳۔ اس کے دلائل گواہاں کی بجائے ثانوی شہادت قرائن سے حاصل ہو جائیں جیسا کہ قبیلہ ہذیل کے مہمان لونڈی سے بری نیت کی اس نے پتھر مار کر اس کا جگر پھاڑ دیا تو حضرت عمرؓ نے تفتیش کرنے کے بعد لونڈی کی بات کو درست مانا اور چھوڑ دیا۔

۴۔ اس کا اعتراف خود مقتول کے مرنے سے قبل یا مقتولہ کے اولیاء سے حاصل ہو جائے۔

کتاب المغنی میں ہے کہ ''اگر مقتولہ کا ولی خود جرم زنا کا اعتراف کرے تو قاتل پر نہ قصاص ہو گا اور نہ ہی دیت جس کی دلیل حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے(۵۷)۔ اگر ولی انکار کرے تو تب مجرم کو گؤاہ لانا ہونگے(۵۸)۔

۵۔ بعض فقہاء کے مطابق اس کے لیے دو گواہ کافی ہیں یہ حنابلہ کا مؤقف ہے(۵۹)۔

قتل غیرت اور اسلامی شریعت و جدید قانون کے چند شبہات:

۱۔ جرم کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ اس کی روک تھام صرف حکومت کی ذمہ داری ہے، درست نہیں۔ اسلام میں جرم کی روک تھام کے لیے ایک مرحلہ دوروانِ جرم کا بھی ہے۔ دورانِ جرم مجرم کو روکنا متاثرہ مسلمانوں کے

لیے خصوصا اور عام مسلمانوں کے لیے عموماً فرض ہے۔ البتہ جرم کے بعد اس کی ذمہ داری صرف حکمران کا فرض ہے۔

حملہ آورکے دفاع کے لیے انی جان، مال، عزت کا تحفظ کا مسئلہ در پیش ہوتا ہے جبکہ نہی عن المنکر میں دوسرے مسلمان بھائی کے ان حقوق کا تحفظ اور دیگر جرائم کی روک تھام بھی شامل ہے۔

بقول جسٹس عودہ شہید: جدید قانون میں بھی دورانِ فعل روکنے کا یہ تصور موجود ہے لیکن مصری اور فرانسیسی قوانین نے بیسویں صدی میں آ کر اس تصور اور انہی شرائط کو اختیار کیا جو اسلامی فقہاء نے کئی صدیاں قبل بیان کر دی تھیں(۶۰)۔

جبکہ نہی عن المنکر کا تصور جدید قانون میں صرف بعض حالات مثلاً بغاوت یا تخریب کاری وغیرہ کی صورت تک محدود رکھا گیا ہے لیکن اسلام میں یہ اصول تمام جرائم کے لیے موجود ہیں(۶۱)۔

دفاع کے اس اسلامی و قانونی تصور ---- جس پر خلفائے راشدین نے فیصلے دیئے اور فقہاء نے شرعی مؤقف کے طور پر اسے اختیار کیا۔ اگر سعد بن عبادہ والی حدیث کو دیکھا جائے تو اس میں بظاہر تضاد کی یہ تو جہات پیش کی جاتی ہیں:

- ایک توجیہہ تو بعض فقہاء نے یہ قرار دی ہے کہ جب قاتل کے لیے اس بدکاری کو ثابت کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے اس فعل سے باز رہنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں تمام فقہاء ثبوت کو لازمی قرار دیتے ہیں۔
- دوسری توچیہہ یہ ہے کہ برائس سے دفاع کا حق قر آن و سنت سے صریح ثابت ہے۔

الغرض تمام تر صورتحال میں اصل مقصودل قتل کی بجائے اس برائی سے روکنا مقصود ہوتا ہے جو اس وقت ہو رہی ہوتی ہے۔ بعض مسلم ماہرین قانون نے قتل غیرت کے عمل درآمد کے لیے تین شرائط کی تکمیل کو بھی لازمی قرار دیا ہے مثلاً:

۱۔ ملزم کا مقتولہ سے رشتہ(بھائی، خاوند، باپ، بیٹا)۔
۲۔ عورت کا بدکاری کرتے ہوئے اچانک رنگے ہاتھوں پکڑا جانا۔
۳۔ قتل کا اقدام بدکاری دیکھنے کے فوراً بعد اور فوری اشتعال کا نتیجہ ہو۔

پاکستان کے مجموعہ تعزیرات کے مطابق بھی عزت کے قتل اور فوری اشتعال کے نتیجہ میں کیے جانے والے قتل کو قتل ’’عمد‘‘ کی بجائے قتل خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

i- جدید قانون کا یہ تصور کہ یہ حق صرف بھائی، باپ اور شوہر کو دیا جانا چاہیے کیونکہ یہ غیرت بھرا اقدام انہی قریبی رشتہ داروں سے ممکن ہے اور وہی اس میں رعایت کے مستحق ہیں لیکن اسلام میں ایسے اقدامات ’’ملی غیرت‘‘ کے نام پڑ بھی وجود میں آتے اور ان کا اعتبار کیا گیا جیسے بنو قینقاع سے چھڑ جانے والی جنگ کے پس منظر میں مسلمان یہودی کا قتل کرنا ، نبی

کریمﷺ کا فیصلہ زمانے پر حضرت عمرؓ کا یہودی کر قتل کرنا اور جہاد پر جانے والے مجاہد کی بیوی سے اس کے ہمسائے کا زنا کرنا اور ایک دوسرے مسلمان کا اس یہودی کو قتل کرنے کا واقعہ جن کا تذکرہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

ii- ایسے ہی اسلام فوری اشتعال کے سبب اس جرم میں رعایت دینے کی بجائے اس موقع پر اس جرم کو روکنے کے نقطہ نظر سے بحث کرتا ہے چاہے وہ دفاع کی قبیل سے ہو، اپنی عزت کی حفاظت کے نکتہ نظر سے یا نہی عن المنکر کی تعمیل میں(۶۲)۔

قتل غیرت/تجزیہ و تبصرہ:

درج بالا تمام بحث سے بات بالکل واضح ہے کہ کسی مسئلہ کا شرعی حکم اور چیز ہے ۔ اس کی شرعی اور قانونی سزا اور چیز کیونکہ کسی معاملے کے حکم اور اصولی فیصلہ میں گویا انتظامی طور پڑ اس گناہ کو روکنے کے طریقے بھی شامل ہوتے ہیں جبکہ اس کی سز ا میں انصاف کے تقاضوں کے مطابق مجرم کو جائز سزا ہی دی جاتی ہے۔

چونکہ غیرت کے نام پر قتل کرنا بھی جرم ہے، اس لیے شریعت میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ چند دنوں کے بعد زنا کاروں کو قتل کرنے کے باقاعدہ منصوبہ بندی کی جائے۔ جہاں تک اس آدمی کی سزا کا سوال ہے جو ایسے قتل کا ارتکاب کرے تو نبی ﷺ کا انتظامی حکم تو بالکل واضح ہے اور ہمارا معاملہ اس معاملہ کو ''سزا'' سے تعبیر کرنے کا مطلب ہی اس کو جرم کی حد تک ملزم سے پورا پورا انصاف کیا جاناچاہیے اور اس کے جرم کی سنگینی کے مطابق ہی اس کو سز ا دینی چاہیے۔

اس سلسلہ میں اگر قصاص کی صورت میں ہو تو اس امر میں بھی واضح رہنا چاہیے کہ مجرم سے قصاص لینا اصل میں مظلوم کا ہی حق ہے جو ظلم کی صورت میں اسے ظالم کے خلاف حاصل ہوا ہے۔ مظلوم کا حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اسے ہی قاتل کو معاف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

جہاں تک اس انتظامی و عدالتی حق کا تعلق ہے تو اس شخص نے ایک انتظامی جرم یہ کیا ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لے کر اپنا فیصلہ خود کیا ہے؟ عدالت اسے اس انتظامی جرم کی کوئی بھی تعزیری سزا دے سکتی ہے یا چاہے تو معاف بھی کر سکتی ہے۔ جیسا کہ سابقہ فیصلوں میں جہاں سزا کا عندیہ بھی ظاہر کیا گیا، وہ صرف ثبوت مہیا کرنے تک ہے، ورنہ نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان عدالتوں نے اپنا تعزیری حق چھوڑ دیا ۔

چنانچہ قواعد فقہیہ کی مشہور کتاب ''الأشباہ والنظائر'' میں کن گناہوں پر تعزیر کی سزا نہ دی جائے۔ اسے بعض مسائل کو مثنیٰ کیا گیا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتا پائے اور وہ زانی شادی شدہ ہو تو اس کو قتل کر دے تو ایسی صورت میں اسے حمیت و غیرت اور غصہ کی وجہ (معذور سمجھ کر) کوئی تعزیر نہ دی جائے''(۶۳)۔

غیرت کے نام پڑ قتل کی مثال بھی ایسے ہی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کی جرم(عزت) پر ہاتھ ڈالا، یا اس کی بیوی نے اپنے علاوہ اپنے شوہر کی عزت پامال کی، شوہر نے اس معاملے کو عدالت میں لے جانے کی بجائے خود ہی نمٹا دیا جو اس کا محض انتظامی جرم ہے۔

اس بارے میں ماہر قانون جسٹس عبدالقادر عودہ شہید اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ’’قتل کے سزا وار شخص کو خود قتل کرنا حکومت کے اختیارات پر دست درازی ہے، اس لیے قاتل کو با اعتبار قاتل تو سزا نہیں ملے گی، البتہ قانون نہیں۔ قاتل کو اپنے جرم کی بھر پؤر سزا اس وقت ملتی جب مقتول معصوم ہو۔

اسلام کا فوجداری قانون میں مصنف اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

’’جن لوگوں کے خون حلال ہیں(یعنی وہ معصوم الدمprotectedنہیں) اگر کوئی شخص انہیں قتل کر دے تو وہ قاتل متصور نہیں ہوتا۔ چونکہ بذاتِ خود یہ فعل(قتل) جائز تھا۔ لیکن چونکہ ان افراد کا قتل ریاست اور اقتدار عامہ کی ذمہ داری تھی۔ اس لیے ایسے غیر معصوم الدم افراد کو قتل کرنا اقتدار عامہ پر دست درازی ہے۔ اس لیے ایسے قاتل کو بااعتبار قاتل تو سزا نہیں دی جائے گی البتہ انتظامی جرم کی سزا انہیں ضرور ملے گی اور یہی مسالک اربعہ کی رائے ہے(۶۵)۔

اس تمام تر صورتحال میں زیادہ سنگینی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ملک میں عدل و انصاف بہت مشکل ہو یا اس کا دورانیہ طویل ہو یا عام آدمی کی دسترس سے باہر ہو بالخصوص ان حالات میں جب عدالتیں اسلامی نظام کی بجائے چند اسلامی قوانین سے فیصلے کرتی ہوں تو لوگ عدالتی معاملي میں پڑنے کی بجائے خود ہی فیصلے نمٹانا شروع کر دیتے ہیں اور ایک عام آدمی عدالتی جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے قانھون خود ہاتھ میں لے بیٹھتا ہے۔ جو لوگ پاکستانی معاشرے کو قانون کی پابندی اور امید کی اطاعت کا درس دیتے عیں انہیں یہ زحمت بھی گوا را کرنا چاہیے کہ مزید قانون اسلامی ہے اور نہ یہ امیر جیسی خلافت ہے۔ اس ملک میں عدالتوں میں لے جانے والے جھگڑوں سے جس طرح ایک مسلمان کی عزت سرِ بازار رسوا کی جاتی ہے اور اخبارات میں نمک مرچ لگا کر جھوٹے سچے قصے بیان کیے جاتے ہیں اور فیصلے لیتے لیتے زندگیاں بیت جاتی ہیں اس سے عوام الناس کو قانون ہاتھ میں لینے کی ہی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

’’الغرض غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے مجرم کو وقوعہ ثابت ہو جانے پر قصاص کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ وہ صرف انتظامی جرم کی سز ا کا مستحق ہے۔ جس کی سزا تعزیری ہے کیونکہ مقتول کو معصوم تصور نہیں کیا جانا چاہیے۔ البتہ جہاں ثبوت نہ ملے اور مجرم معصوم وہاں قاتل کو بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت دینا ہو گی‘‘۔

یاد رہے کہ دورانِ بدکاری دفاع یا نہی عن المنکر کی صورت میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ سوائے امام شافعیؒ کے جو دخول عملاً کے قائل ہیں لیکن عدم

ثبوت کی صورت میں قصاص قتل اور ثبوت ملنے کی صورت میں انتظامی جرم کا مرتکب سمجھ کر سزا دینے پر تینوں فقہاء میں اتفاق ہے یعنی ان کا اختلاف اس قتل کی توجیہہ کے بارے میں تو ہے، نتیجہ یہ سب فقہاء متفق ہیں(۶۶)۔

قتلِ غیرت اور جدید مادر پدر آزاد و تہذیب میں آزادی نسواں کا نعرہ لگانے والوں کا اصل مقصد و مدعا:

حرفِ آخر

ان تمام اسلامی و قانونی تشریحات اور عالمی قوانین و فیصلہ جات کے باوجود صرف مادر پدر آز اد تہذیب کے فروغ کے لیے غیرت کے مجرم کو نشانِ عبرت بنا دینے کی خواہش اور اس کے لیے سنگین ترین سزا پر مبنی قانون سازی کا مطالبہ این جی اوز کا عجب رویہ ہے۔ جس میں ہماری قبائلی روایات کی اصلاح سے بڑھ کر مغربی تہذیب کا لپکا اور آزادانہ جنسی معاشرہ کے قیام کی خواہش کار فرما ہے۔ ان مغرب زدہ خواتین کے نزدیک نہ صرف نکاح ایک نا پسندیدہ بندھ ہے بلکہ اسے قید غلامی کی یادگار دیتی ہمیں در اصل یہ ایک آزاد معاشرہ قائم کرنے کی خواہاں ہیں۔ اسے اس کے مضمرات پر بھی غور کرنا چاہیے یہ قوانین نکاح سے قبل جنسی تعلقات کو عورت کا حق قرار دیتی ہیں بلکہ طوائف کو جنسی کارکن قرار دلوانے کا بھی مطالبہ رکھتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ قوانین ازدواجی تعلق کو ازدواجی زنا بالجبر سے تعبیر کر کے اس کے لیے بھی سنگین سزا کا مطالبہ کرتی ہے۔

غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم سے انہیں خوف اس لیے آتا ہے کہ اس سے اس تہذیب کو خطرہ درپیش ہے جس میں جنسی بے راہ روی کوئی نا پسندیدہ فعل نہیں بلکہ خالصتاً عورت کا حق ہے۔ اس سلسلہ میں عدالت اور مقننہ کو چاہیے کہ نبی کریمﷺ کے طرزِ عمل، صحابہ کرامؓ اور بعد کے فقہاء نے اس جرم کی سزا کو انصاف کی میزان پر پورا پورا تول کر ہر دو فریق کو جائز حق دیا۔اس کو ملحوظ خاطر رکھیں اور اسلامی روایات کی پاسداری کریں اور ایسی کسی بھی قانون سازی سے گریز کریں جس کی صورت میں ملک سے غیرت کا جناز ہ ہی نکلنے کی صورت سامنے آئے۔ بے راہ روی کا شکار مرد و زن عوامی و معاشرتی غیظ و غضب سے بے پرواہ ہو کر جنسی عیاشی کریں اور مغربی تہذیب کا پرچار ہو۔

قومی اسمبلی میں جو ترامیم پاس ہوئی ہیں اس پر نقشہ ابھرتا ہے کہ عشق و فجور اور بے راہ روی اختیار کرنے والے تو معصوم تصور ہوں اور ان کو روکنے والے کسی تفصیل میں جائے بغیر سیدھا قانون کی گرفت میں گویا زنا کو تحفظ فراہم کرنا اور خاندان کے مردوں کو دھمکی کے ذریعے منع کرنے کی قانون سازی ہے۔ اس سے پاکستانی معاشرہ جس طرف جائے گا اس کا اندازہ ہر ذی شعور کر سکتا ہے۔

دوسری طرف ذرائع ابلاغیات۔(الیکٹرانک ، پرنٹ) جدید طرز پر تعلیمی ادارے ، عدالتیں انسانی آزادی کے نام اس کی ضامن و محافظ ہیں۔ سارا زور آخر کار غیرت کے نام پر جرائم میں نکلتا ہے۔ این جی اوز اور جدید آزاد تہذیب

کے علمبردار اس سلسلہ(زنا، بدکاری، بے حیائی فحاشی) میں معاشرتی سطح پر یا خاندان کے افراد کی طرف سے ہر رکاوٹ کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔

غیرت کے نام پر ان جرائم کو صرف قانونی نظر سے روکنے یا جائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان تمام مراحل و اسباب کو کنٹرول کرنا ہو گا جو اس سمت میں لے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت سے لے کر ایک عام فرد کو اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ ایسی صورتحال میں معاشرے کے تمام ذمہ دار افراد مناسب اور موزوں قانون سازی اور عوامی رویے اپنانے چاہیئیں۔ نہ قانون شکنی اس مسئلے کا حل ہے نہ غیرت جسے جائز جذبہ سے دستبرداری نبی کریمﷺ کے فرامین سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے(۶۷)۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ خواتین حقوق کمیشن، اگست ۱۹۹۷ء، رپورٹ ، باب نمبر۶۔
۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ح ۶۵۳۰، مکتبہ دار السلام الریاض الاولی، ۱۹۸۶ء، والطبعہ الثانیہ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء۔
۳۔ ماہنامہ اشراق، اگست ۲۰۰۴، ص۴۱۴۰۔
۴۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ثریا علوی، ص۴۶۲۔۴۶۵، ادارہ منشورات اسلامی لاہور، ۱۹۹۹ء۔
۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ح ۶۵۳۰، مکتبہ دار السلام الریاض الاولی، ۱۹۸۶ء، والطبعہ الثانیہ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء۔
۶۔ النور: ۶ تا ۹۔
۷۔ مسلم، مسلم بن حجاج ابو الحسین ، الجامع الصحیح، ح ۳۷۴۶، نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعہ الثانیہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء۔
۸۔ مصنف، عبدالرزاق، ''المصنف''، ح ۷۹۱۷(دار احیاء التراث العربی بیروت) الطبعہ الاولی، ۲۰۰۲ء۔
۹۔ مسلم، مسلم بن حجاج ابو الحسین ، الجامع الصحیح، ح ۳۷۶۱، نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعہ الثانیہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء۔
۱۰۔ ایضاً، ح:۳۷۶۲۔
۱۱۔ ایضاً، ح: ۳۷۶۳۔
۱۲۔ ایضاً، ح: ۳۷۶۴ و بخاری، ح:۷۴۱۶۔
۱۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ دار السلام الریاض الاول، ۱۹۸۶ء، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء۔
۱۴۔ ابن حجر، حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۳۳۰/۹، ادارہ الطباعۃ لاہور، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔
۱۵۔ المتقی الھندی، علاء الدین علی، کنز العمال، ح:۱۳۶۱۳/۳۳۹۱۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵م۔
۱۶۔ ماہنامہ محدث، نومبر ۲۰۰۴، ص۳۳، ناشر مجلس تحقیق اسلامی، لاہور۔
۱۷۔ ایضاً، ص۳۴۔۳۵۔
۱۸۔ الاسراء: ۳۲۔
۱۹۔ مسلم، مسلم بن حجاج ابو الحسین ، الجامع الصحیح، ح ۴۴۰۶، نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعہ الثانیہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔
۲۰۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، ح۱۸۰۴، مکتبہ دار السلام الریاض۔
۲۱۔ ماہنامہ محدث، نومبر ۲۰۰۴، ص۳۶، ناشر مجلس تحقیق اسلامی لاہور۔
۲۲۔ عودہ شہید، جسٹس عبدالقادر عودہ شہید، کتاب التشریع الجنائی الاسلامی اردو ترجمہ اسلام کا فوجداری قانون، ج اوّل، ص۵۶۵
تا ۶۰۸۔
۲۳۔ ماہنامہ محدث، نومبر ۲۰۰۴، ص۳۷۔۳۸، ناشر مجلس تحقیق اسلامی لاہور۔

۲۴. ترمذی، ابو یحیٰی محمد بن عیسیٰ، السنن جامع ترمذی، ح:۱۴۲۱، مکتبہ دار السلام الریاض، الطبعہ الاولیٰ۔
۲۵. احمد، احمد بن حنبل، مسند احمد ، ح ۲۲۲۶۶، دار الفکر القاہرۃ۔

۲۶. حاشیہ ابن عابدین، ۵۴۷/۶۔
المغنی، ۳۵۱/۱۰ تا ۳۵۳، المغنی المحتاج، ۱۹۴/۴۔
۲۷. بحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۴۴/۵۔
۲۸. ایضاً، ۴۵/۵۔
۲۹. اسلام کا فوجداری قانون، ج۱، ص۵۶۶۔
۳۰. ایضاً، ص۵۸۸، ۵۹۵/۵۹۰۔
۳۱. الفقہ الاسلامی، ۷۵۹/۵۔
۳۲. اسلام کا فوجداری قانون، ۶۰۷/۱۔
۳۳. ایضاً، ۵۷۳/۱۔
۳۴. ایضاً، ۵۸۰/۱۔
۳۵. حاشیہ ابن عابدین، ۴۸۲/۵۔
۳۶. اسلام کا فوجداری قانون، ۵۷۵/۱۔
۳۷. ایضاً، ۵۷۶/۱۔
۳۸. ایضاً، ۵۷۸۰/۱ بحوالہ حاشیہ ابن عابدین، ۲۱۴/۵۔
۳۹. اقضیۃ الخلفاء راشدین، ۴۳۵/۱۔
المحلیٰ: ۱۲۵/۸، فقہ عمر: ۲۱۳۔
سنن بیہقی، ۳۳۷/۷، مصنف عبدالرزاق، ۴۳۵/۹۔
۴۰. مسند الفاروق، ۴۵۶/۲، تاریخ عمر، ص۹۷۔
۴۱. الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۷۵۹/۵۔
بدایۃ المجتہد، ۳۱۹/۳۲، الدر المختار، ۱۹۷/۳۔
۴۲. الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۷۵۹/۵ بحوالہ الدر المختار، ۱۹۷/۳۔
۴۳. المغنی، ۴۱۲/۱۱۔
۴۴. الموسوعۃ الفقہیہ، ۳۴۱/۳۔
۴۵. اقضیۃ الخلفاء الراشدین، ۵۸۳/۱۔
فقہ عمر، ص۲۱۴۔
۴۶. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ح:۲۴۴۳۔
۴۷. الام، الشافعی، ۱۸۲/۷۔
اقضیۃ الخلفاء الراشدین، ۵۸۲/۱۔
۴۸. مسند احمد، ح:۱۷۴۸۹۔
۴۹. ماہنامہ محدث، نومبر ۲۰۰۴، ص۳۷۔
۵۰. النساء: ۶۵۔
۵۱. تفسیر ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر،۷۸۹/۱۔
۵۲. اقضیۃ الخلفاء والراشدین، ۵۸۳/۱، فقہ عمر، ص۲۱۱۔
۵۳. المحلی، ۲۵۲/۸۔
۵۴. التمہید، ۲۷۶/۲۱۔
۵۵. شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، ۲۲۶/۶، دار الفکر بیروت۔
۵۶. زاد المعاد، ۵۰۷/۵۔
۵۷. المغنی، ۶۴۲/۱۱ تا ۶۴۶۔
۵۸. المغنی: ۳۲۲/۸۔
۵۹. الموسوعۃ الفقہیہ، ۱۱۰/۲۸۔
۶۰. اسلام کا فوجداری قانون، ۵۶۹/۱، ۵۸۲۔
۶۱. ایضاً: ۶۰۹/۱۔
۶۲. ماہنامہ محدث، نومبر۲۰۰۴، ص۳۷ـ۳۸۔
۶۳. الاشباہ والنظائر، ص ۴۹۰۔
۶۴. اسلام کا فوجداری قانون، ۱۹۳/۲۔
۶۵. ایضاً، ص/۱۹۳۔

۶۶۔ ماہنامہ محدث، نومبر ۲۰۰۴ء۔
۶۷۔ ایضاً، ص۶۶، ۶۷، ۶۸۔